جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۴ نمبر

صفر ۱۴۴۰ھ / اکتوبر ۲۰۱۸ء

شمارہ نمبر ۷

زر تعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپے
سالانہ زر تعاون ——— ۱۵۰/روپے
بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالۂ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر..........

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ہندوستانی میڈیا کے مطابق ہندوستانی سپریم کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل بینچ نے اتفاقِ رائے سے ہم جنس پرستی کا فیصلہ جاری کردیا ہے، یہ فیصلہ ہندوستانی چیف جسٹس دیپک مشرا نے پڑھ کر سنایا۔

فیصلے میں کہا گیا ہے کہ مردانہ ہم جنس پرستی پر عائد پابندیاں غیر معقول اور ناقابلِ دفاع ہیں اور ان کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ ایسے نازک وقت میں آیا ہے جب کہ ہمارا معاشرہ پہلے ہی جنسی جرائم اور تشدد کے بے انتہا مسائل سے دوچار ہے، اب ایسے حالات میں ہم جنسی کی اجازت دینا ناقابل فہم ہے۔

عدالتِ عظمی کے ذریعے دستور ہند کی دفعہ ٣٧٧ میں ترمیم کرکے ہم جنس پرستی کو قانونی جواز فراہم کیا جانا یقیناً اس ملک کے سماجی سسٹم اور اجتماعی ڈھانچے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔

ہم جنس پرستی محض اس لئے ہی غلط نہیں ہے کہ اسلام نے اسے غلط قرار دیا ہے بلکہ عام سماجی نقطۂ نظر سے بھی ہم جنس پرستی ایک نقصان دہ عمل ہے اور اس سے خاندانی وعائلی نظام کے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہوجائے گا۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

٢٠ ستمبر کو مرکزی حکومت نے طلاق ثلاثہ کو غیر قانونی قرار دینے والا آرڈیننس صدر

جمہوریہ ہندرام ناتھ کووند کی دستخط سے پاس کرالیا گیا ہے، طلاق ثلاثہ پر مرکزی حکومت کا آرڈیننس غیر آئینی ہے کیونکہ کسی بھی معاملے پر آرڈیننس اسی وقت لایا جاتا ہے جب بہت زیادہ ایمرجنسی ہوتی ہے لیکن اس معاملے میں ایسی کوئی بھی ایمرجنسی نہیں دیکھائی دیتی ہے لیکن ایوان میں ملی ناکامی کو چھپانے کے لئے موجودہ حکومت نے آرڈیننس کا سہارا لیا اور ''مسلم وومن پروٹیکشن آف رائٹس آن میرج'' قانون کو حتمی شکل دینے کی کوشش کی۔

ہمارے ملک ہندوستان کو آزاد ہوئے ستر سال سے زائد ہو چکے ہیں، اس طویل عرصہ میں ہندوستانی مسلمان ہمیشہ حکومت کی طرف سے کسی نہ کسی الجھن اور پریشانی کا شکار رہا ہے، مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں حکومت ہند کی طرف سے دخل اندازی ان میں سب سے اہم چیز ہے جب کہ ہندوستانی قانون اور آئین کی رو سے یہاں بسنے والے تمام ہندوستانیوں کو اپنے مذہبی امور اور معاملات اپنے اپنے مذہب اور ریت رواج کے مطابق ادا کرنے کا دستوری حق ہے۔

ان جیسے مسائل کے پیچھے جہاں حکومت کی بدنیتی کارفرما ہے وہیں دین سے دوری اور دینی علوم اور شرعی قوانین سے ہماری ناواقفیت سے بھی یہ تمام باتیں سامنے آرہی ہیں، اس لیے اس وقت حالات کا تقاضا ہے کہ دعوت دین اور لوگوں میں شریعت کی پابندی کے لیے ایمانی محنت کو عام کیا جائے ،موجودہ حالات مسلمانان ہند کے لیے ایک طرف امتحان ہیں تو دوسری طرف ایک موقع ہیں کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرلیں، دین کی دعوت کو عام کریں، مسلکی اختلافات سے بالاتر ہو کر متحد ہو جائیں اور فطری زندگی کے سکون کے لیے تڑپ رہی انسانیت کے سامنے ایسی تصویر پیش کریں کہ ہر دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ نہ صرف شادی بیاہ اور طلاق بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں اسلامی تعلیمات ہی سب کے لیے سکون کا باعث ہیں۔

آج ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مسلمان اپنے عمل و کردار سے دنیا کو دین بیزار باور کرارہے ہیں، مادیات کی چمک دمک اور اس کے دامِ ہم رنگِ زمین میں پھنستے جارہے ہیں، مسلمانوں کو اپنی تو اپنی اپنی نئی نسل تک کی بھی پرواہ نہیں ہے، دینی تعلیم کے حصول سے دور رکھ کر غیروں کے ترتیب دیئے ہوئے تعلیمی نظام سے ان کو مربوط کر کے ان کا مستقبل تاریک سے تاریک تر بناتے جارہے ہیں، اوران سے اسلامی اقدار روایات کے خواہاں ہیں، اور چاہتے ہیں کہ وقت کی مادی طاقتیں آنکھ نہ دکھائیں، جبکہ ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے، کیونکہ اسلام اور باطل نظریات کی کشمکش ہمیشہ سے رہی ہے اور رہے گی، اس کشمکش سے سلامتی تو اسلامی اصولوں کی پاسداری اور دینی تصلب ہی سے ممکن ہے۔

یقیناً دینی اعمال میں ہماری سستی، خدائی احکام سے روگردانی نے مصائب ومشکلات کو ہمارے اوپر مسلط کیا ہے، جب اجتماعی طور پر یہ زہر سرایت کر جاتا ہے تو پھر پوری قوم مصیبتوں کی جکڑ بندیوں میں گرفتار ہوجاتی ہے، ظالم کا ظلم اور اس پر نالہ وشیون بجا لیکن خود احتسابی کی بھی ضرورت ہے کہ پانی ہمارے گھر میں کہاں اور کیوں مر رہا ہے، پہلے داخلی فتنوں کو ختم کیا جائے، خارجی یورشیں خود بخود سرد پڑ جائیں گی۔

حقیت یہ ہے کہ اسلام مادی ومعنوی ترقی کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی قوت، ترقی اور کامرانی کا راز ان کی دین پسندی اور اعلیٰ اخلاق و کردار میں پوشیدہ ہے، وہ جس قدر اپنے دین کے پابند اور اس کے اصولوں کے علمبردار ہوں گے، ترقی و کامرانی کے زینے طے کرتے رہیں گے، اسی طرح اس کے برعکس صورتحال بھی ہوگی یعنی جس قدر دین سے ان کا تعلق کمزور ہوگا اس کے اصولوں سے دور ہوں گے، اسلامی تعلیمات سے جس قدر بے اعتنائی ہوگی، اسی قدر پسماندہ ہوں گے، اور مختلف حوادثات کا شکار رہیں گے، وہ تنگی اور بدحالی میں مبتلا ہوں گے اور محکومیت ومغلوبیت ان کا مقدر ہوگا۔

اگر ہم اسلام کو نافذ کریں اور اپنے کردار اور افعال میں اس کے اخلاقی کمالات اور ایمانی حقائق کا مظاہرہ کریں تو دوسرے مذاہب کے پیروکار اسلام کے دامن میں گروہ در گروہ داخل ہوں گے، اس لئے کہ نوع انسانی نے جہالت کی بدترین تکلیفیں جھیلی ہیں اور جدید علوم وفنون کے نتائج کی روشنی میں اس نے اپنی آنکھیں کھولی ہیں اور اس نے انسان کی حقیقت و ماہیت کا پتہ چلالیا ہے، اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی مذہب کے یونہی زندگی گذارے، بلکہ جولوگ بڑے ملحد اور دشمن دین بنتے ہیں وہ بھی آخر میں خواہی نخواہی مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔

آج انسانیت الحاد و بغاوت کی طغیانیوں کا سامنا کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ مذہب کی ضرورت قطعی اور حتمی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن بار بار عقل وتدبر سے کام لینے، بحث وتحقیق کی فضا قائم کرنے اور تفکر کو مشعل راہ بنانے پر زور دیتا ہے تاکہ انسان حقیقت تک رسائی حاصل کرسکے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے جس مذہب کی تعلیمات اپنی ہمہ گیریت کی وجہ سے غیروں کو متأثر کررہی ہے اس مذہب کی تعلیمات کا خود کتنا پاس ولحاظ ہے، تمام تر عملی کمزوریوں کے باوجود ہم جیسے ٹوٹے پھوٹے مسلمانوں کے اعمال جب آج بھی دلوں کو مسخر کررہے ہیں تو اگر اسلامی احکامات اور ہدایات پر پختگی پیدا ہوجائے تو یقیناً امن وامان کی باد بہاری پھر سے گلشن انسانیت کو باغ و بہار بنادے گی (انشاءاللہ)

چمن کے مالی اگر بنالیں، چمن کے لائق شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن کی روٹھی بہار اب بھی

درسِ قرآن

جذبۂ ہمدردی

مولانا محمد ساجد حسن مظاہری استاد حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

حَتّٰی إِذَآ اَتَوْ عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ج لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ لا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۱۸)۔

جب وہ وادئ نملہ پر پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں تم کو پیس ڈالے۔

چیونٹی کی یہ بات سن کر سلیمان مسکراتے مسکراتے ہنس پڑے، اور کہنے لگے اے پروردگار! مجھ کو دائمی توفیق دیجئے اس کی کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے باپ کو عطا کی ہیں، اور اس پر بھی کہ میں نیک کام کیا کروں جن سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

تشریح وتوضیح: ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام انسان جنات اور حیوانات کے عظیم الشان لشکر کے ساتھ کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے لشکر کی کثرت کے باوجود کسی طبقہ کے افراد کی بھی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنے درجہ اور رتبہ کے خلاف آگے پیچھے ہونے کی بے ترتیبی کا مرتکب ہوسکے، سب فرمانبردار لشکریوں کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہیبت سے قرینہ سے فوج درفوج چل رہے تھے کہ لشکر چلتے چلتے ایسی وادی میں پہنچا جہاں بے شمار چیونٹیاں تھیں اور وادی ان کا مسکن بنی ہوئی تھی، چیونٹیوں کی ملکہ نے اس کثیر لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم سے کہا: کہ فوراً اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ! سلیمان علیہ السلام اور سلیمان کے لشکر کو کیا معلوم کہ تم اس کثرت کے ساتھ وادی کی زمین پر رینگ رہی ہو، نا معلوم ان کے گھوڑوں اور پیادوں کے نیچے

تم میں سے کتنی تعداد بے خبری میں روندی جائے۔

صغیر الجثہ، ننھی سی چیونٹی کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے، بہت سی عادات و اطوار میں ننھی سی یہ چیونٹی انسانوں سے مماثلت ومشابہت رکھتی ہے، انسانوں کے مانند زراعت کرتی ہے، غلہ اور اناج جمع کرتی ہے، سرنگیں بناتی ہیں، سڑکوں کا جال بچھاتی ہے **(یتشابه النمل معنا في العادات فهو يبني المدن ويشق الطرق ويحفر الانفاق ويخزن الطعام في شؤن خاصة يزرع الحدائق والنباتات ايضا)**: **ومن المؤسف أن النمل ايضاً تعلن الحرب۔ الاساس ۲۰۰۷/۷ء**۔

شہر بسائے جاتے ہیں، پیشگی اعلان کر کے جنگ ہوتی ہے، قتل وخونریزی بھی ہوتی ہے، قیدی اور اسیر بھی بنائے جاتے ہیں، ہمدرد، خیر خواہ، باصلاحیت سردار کا انتخاب ہوتا ہے۔

چیونٹوں کے ایسے ہی ہمدرد قوم کے ایک سردار کا قرآن تذکرہ کر رہا ہے، سردار پوری طرح متیقظ و بیدار ہے، قوم سے ذرہ برابر غافل نہیں، دور سے ہی سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر ہلاکت و بربادی سے بچانے کے لیے چیخ رہا ہے کہ: فوراً اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ۔

درختوں پر چڑھنے سے بھی جان بچ سکتی تھی، سوراخوں میں چھپنے کے لیے کہہ رہا ہے، کیونکہ اللہ کے عطا کئے ہوئے شعور وآگہی سے سردار اس سے بخوبی واقف ہے کہ قوم کے جسم وجان جس طرح قیمتی ہیں اور ان کی حفاظت میری اولین ذمہ داری ہے، اسی طرح قوم کے ذہن و دماغ کو بھی غیروں کی وجاہت، مال و دولت اور اس کی چکاچوند سے بچانا ازبس ضروری ہے **(لا یحطمنكم اشتغالكم برؤية جنود سليمان وملكه وما اعطاه الله من زهرة الدنيا فيشغلكم عن ذكر الله ويهلككم۔ تفسير مظهری ۱۰۶/۷)**۔

والدین اپنی اولاد، استاد و معلم اپنے شاگردوں کی تربیت، غیروں کی دست برد، دشمنوں کی غارت گری سے ان کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں، اور اپنی اس مسئولیت کے بارگراں سے بخوبی عہدہ برآ بھی ہیں مگر اولاد و شاگردوں پر اپنا ہی رنگ چڑھے، ان کے ذہن

ودماغ غیروں سے متاثر نہ ہونے پائیں، چیونٹیوں کے سردار کے مانند اس کی بھی فکر کریں اور اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ہر ایسے موقع محل، محفل سے ان کو بچانے کی کوشش کریں جہاں اذہان پر دوسروں کے نقوش واثرات پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

نت نئی ایجادات واختراعات، جدید اکتشافات کی بدولت بے شک انسان سمندروں میں غوطے لگا رہا ہے، فضا میں پرواز کر رہا ہے، مگر ہمدردی وخیر خواہی میں شاید ننھی چیونٹی کے برابر بھی نہیں جن کو صرف اپنی نہیں بلکہ قوم کی نجات کی بھی فکر دامنگیر ہے۔

واقعہ نمل سے معلوم ہو رہا ہے کہ پیش آمدہ مصائب وآلام سے حفاظت اور نجات و کامیابی دو چیزوں میں منحصر ہے۔(۱) سردار ورہبر میں خیر خواہی کا جذبہ (۲) قوم میں حیل وحجت کے بغیر فرمانبرداری کا ہونا۔

کیا ہم میں بھی یہ دونوں وصف موجود ہیں؟؟؟؟؟

یہ دل ہو گیا ہے نہال اللہ اللہ

تصور میں ان کا جمال اللہ اللہ ○ ہے کتنا مبارک خیال اللہ اللہ
زباں جس کی تفصیل کرنے سے عاجز ○ مرا ہوگیا ایسا حال اللہ اللہ
وہ امی بھی رہ کر جہاں کے معلم ○ نہیں ایسی کوئی مثال اللہ اللہ
کہے گا خدا مجھ سے مانگو ملے گا ○ یہ ہے نعمتِ بے مثال اللہ اللہ
نبی کی محبت بسی ہے جو دل میں ○ یہ ہے رحمتِ ذو الجلال اللہ اللہ
بروزِ قیامت پلائیں گے ہم کو ○ وہ کوثر کا آب زلال اللہ اللہ
درود و سلام آیا جب بھی زباں پر ○ تو دل ہوگیا ہے نہال اللہ اللہ
گنہگار عارفؔ بھی نعتوں کے صدقے ○ بالآخر ہوا خوش مآل اللہ اللہ

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی استاذ عربی مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مئو (یوپی)

انوارِ حدیث

جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے...

مولانا محمد خالد سعید اعظمی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ضروری

عن جابر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فعلیه الجمعة یوم الجمعة إلا مریض أو مسافر أو امرأة أو صبي أو مملوک، فمن استغنی بلهو أو تجارة استغنی اللہ عنه واللہ غني حمید، (رواہ الدارقطني في سننه ۲/۳ رقم الحدیث ۱۵۶۰)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے اوپر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ضروری ہے سوائے بیمار یا مسافر یا عورت یا بچے یا مملوک کے، لہٰذا جو شخص کھیل کود یا تجارت میں لگ کر (اللہ کی طاعت سے) بے نیاز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے نیاز ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ تو بڑے بے نیاز اور قابل تعریف ہیں۔ (سنن دارقطنی)

اسی معنی کی ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے کہ :**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فعلیه الجمعة إلا عبداً أو امرأة أو صبیا، ومن استغنی بلهو أو تجارة استغنی اللہ عنه، واللہ غني حمید۔**

(المعجم الأوسط ۸/۳۴۶، رقم الحدیث ۷۷۰۶)

اسی طرح حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت جس کے آخر میں ہے کہ :**ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فَلْیَسْعَ إلی الجمعة، ومن استغنی بلهو وتجارة استغنی اللہ عنه، واللہ غني حمید.** (المعجم الأوسط ۸/۱۵۷ رقم الحدیث ۷۳۱۶) یعنی جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن

پرایمان رکھتا ہے وہ نماز جمعہ کے لیے چل پڑے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یاایھا الذین آمنو اإذانو دی للصلو ۃمن یو م الجمعۃفاسعو اإلی ذکر اللہو ذر واالبیع۔ (الجمعۃ ۹)** اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دیا کرو۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ فرض ہے؛ لیکن اس کی فرضیت کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں، اور اسی وجہ سے حدیث شریف کے اندر بیمار، مسافر، عورت وغیرہ کا استثناء کیا گیا ہے، صاحب تحفہ الفقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت کے لیے نمازی کے اندر چھ صفات کا پایا جانا شرط ہے: (۱) مرد ہونا (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) آزاد ہونا (۵) صحت بدن (۶) اقامت، لہذا جمعہ کی نماز عورت، نابالغ بچے، مجنون، غلام، اپاہج، بیمار، اور مسافر پر فرض نہیں ہوگی۔ (تحفۃ الفقہاء ۱/۱۶۱)

دیگر علماء نے اس کے ساتھ کچھ اور شرطیں بھی ذکر کی ہیں مثلاً: (۷) وجود بصر: بینائی کا پایا جانا، لہٰذا کانے پر جمعہ فرض ہوگا؛ البتہ اندھا اگر اسے مسجد تک لے جانے والا کوئی میسر ہو تب بھی امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۸) چلنے پر قدرت: ایسا لنگڑا جو چلنے پر قادر ہو اس پر جمعہ فرض ہوگا؛ لیکن اپاہج جو دونوں پیروں سے معذور ہو، یا ایک پیر اس طرح مفلوج ہو یا کٹا ہوا ہو کہ چلنے پر قدرت نہ ہو تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۹) حبس (قید)، خوف، اور شدید بارش کا نہ ہونا لہٰذا قیدی پر جمعہ فرض نہیں ہے، اور اس شخص پر جمعہ فرض نہیں ہے، جو ظالم کے خوف سے روپوش ہو؛ البتہ جو جرم کرنے کی وجہ سے سزا کے ڈر سے روپوش ہو تو اس سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ اور بہت زیادہ بارش، یا سخت کیچڑ وغیرہ ہو جس کی وجہ سے مسجد تک پہونچنا دشوار ہو جائے تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، بہر حال جب مذکورہ بالا شرطیں، یا ان میں سے بعض کسی شخص میں نہ پائی جائیں تو جمعہ کی فرضیت اس سے ساقط ہو جاتی ہے، اور شریعت نے ایسے شخص کو رخصت دی ہے کہ وہ جمعہ کے بجائے ظہر کی فرض نماز ادا کرلے، اور اگر وہ

رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے جمعہ ادا کرتا ہے تو اس کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا؛ بلکہ یہ افضل ہے، سوائے عورت کے کہ اس کے حق میں جمعہ میں شرکت کے مقابلے گھر کے اندر ظہر ادا کرنا افضل ہے۔(ردالمحتار علی الدر المختار ۳/ ۲۷-۲۸، حاشیۃ الطحطاوی ص ۵۰۵)

ترک جمعہ پر وعید: جمعہ جن لوگوں پر فرض ہے ان میں سے اگر کوئی بلا عذر شرعی جمعہ چھوڑ دے تو احادیث کے اندر اس پر بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں ہے "**لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات، أو ليختمن الله على قلوبهم، ثم ليكونُنَّ من الغافلين**"(مسلم ۱/ ۲۸۴،نسائی ۱/ ۲۰۲) یعنی لوگ جمعہ چھوڑنے سے ضرور باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، پھر وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لقدهممت أن آمر رجلا يصلي بالناس، ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم**"(مسلم ۱/ ۲۳۲) یعنی میں نے ارادہ کیا کہ کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ایسے مردوں جو (بلا عذر) جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

اور ایک اور حدیث میں ہے: "**من ترك ثلاث جمع تهاونا بها، طبع الله على قلبه**"(ابوداود ۱/ ۱۵۱، نسائی ۱/ ۲۰۲، ابن ماجہ ص ۷۸) جو شخص تین جمعہ سستی کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔اور ایک حدیث میں ہے: "**من ترك الجمعة من غير عذر فليتصدق بدينار، فإن لم يجد فنصف دينار**" **وفي رواية** "**فليتصدق بدرهم أو نصف درهم أو صاع حنطة، أو نصف صاع**". (ابوداود ۱/ ۱۵۱)

یعنی جو شخص بلا عذر جمعہ چھوڑ دے اسے ایک دینار صدقہ کرنا چاہیے، اور اگر اس کی وسعت نہ ہو تو نصف دینار، اور ایک اور روایت میں ہے کہ: ایک درہم، یا نصف درہم یا ایک صاع گیہوں، یا نصف صاع گیہوں صدقہ کرنا چاہیے۔

اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس صدقہ کرنے سے بلا عذر جمعہ چھوڑنے کا گناہ بالکلیہ معاف نہیں ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس کے ذریعہ گناہ میں تخفیف کی امید ہے۔(مرقاۃ المفاتیح ۳/ ۴۲۱) (باقی آئندہ)

تین طلاق پر آرڈیننس

مرکزی حکومت کا سیاسی ہتھکنڈا

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی — ریاض سعودی عرب

جب سے دہلی مرکز اور ہندوستان کی بیشتر ریاستوں میں بی جے پی کی حکومتیں اقتدار میں آئی ہیں، ملک میں آئے دن مختلف بہانوں سے اقلیتوں میں خوف وہراس پھیلایا جارہا ہے، ایک مسئلہ کے بعد دوسرے مسئلہ میں اقلیتوں کو الجھا کر انہیں ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے روکا جارہا ہے، کانگریس نے بھی اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن پھر بھی مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے بعض مسائل حل کرنا اور کسی درجہ میں ان کو خوش رکھنا کانگریس کی مجبوری تھی، بی جے پی کو مسلمانوں کے ووٹوں کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی وہ اسمبلی یا پارلیمنٹ میں مسلم نمائندگی کی خواہش رکھتی ہے، گزشتہ متعدد مرتبہ ایک بھی مسلمان کو اپنا امیدوار نہ بنانا اس بات کی واضح دلیل ہے، ملک کی ترقی وخوشحالی کے لیے اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور مہنگائی کو روکنے پر صلاحیت لگانے کے بجائے گئوکشی، مذبح خانے، گوشت کی دکانیں، حکومت کے فنڈ سے چلنے والے بعض مدارس، مندر، مسجد، اذان، لاؤڈ سپیکر اور طلاق جیسے غیر ضروری مسائل اٹھا کر ہندوستانی تہذیب وتمدن کے خلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پھیلا کر حکمراں پارٹی صرف ہندوؤں کا ووٹ حاصل کرنا چاہتی ہے، گئوکشی کے نام پر ہندوستانی قوانین کی دھجیاں اڑا کر گئو رکشک ملک میں جگہ جگہ نوجوانوں کو قتل کررہے ہیں لیکن اُن کے خلاف کاروائی تو بہت دور کی بات ہے بلکہ اس کے برعکس اُن کو کھلے عام انعامات سے سرفراز کیا جارہا ہے۔

حال ہی میں دہلی میں واقع ہندوستان کے مشہور تعلیمی ادارہ ’’جواہرلال نہرو یونیورسٹی‘‘ میں طلبہ یونین کے انتخابات میں بری طرح شکست سے بوکھلا کر بی جے پی حکومت نے اسی سال راجستھان، مدھیہ پردیش اور گجرات جیسے اہم صوبوں میں ہونے والے الیکشن، نیز۲۰۱۹ءکے پارلیمنٹ کے الیکشن میں جیت کو یقینی بنانے کے لیے ملک کی امن وسلامتی کی فضامیں گھناؤنے بادلوں کومنڈلانے کی غرض سے ملک کے بڑے بڑے مسائل کو پس پشت ڈال کرضرورت سے زیادہ تیزی دکھا کر ہندوستانی قوانین کے مطابق ملی مذہبی آزادی پرقدغن لگا کرایک مجلس میں تین طلاق دینے والے شخص کوشہر میں دنگاوفساد برپا کرنے والے شخص سے بھی زیادہ سخت سزادلانے کے لیے وہ بل جو پارلیمنٹ میں بی جے پی کی اکثریت ہونے کی وجہ سے تو پاس ہوگیا تھا لیکن راجیہ سبھا میں معلق تھا، راجیہ سبھا کے مانسون اجلاس کے دوران اس موضوع پر بحث کرنے کے بجائے صرف آخری دن اس پر گفتگو کی گئی جوظاہر ہے کسی نتیجہ کے بغیرختم ہوگئی تھی، آئندہ ہونے والے سردیوں کے اجلاس میں اس پر بحث کی جاسکتی تھی، مگر بی جے پی حکومت نے صرف اور صرف سیاسی فائدہ حاصل کرنے کے لیے اس پر مزید بحث ومباحثہ کرنے کے بجائے اپنی من مانی کرتے ہوئے ۱۹ستمبر کومرکزی کابینہ کے ذریعہ تین طلاق بل کونافذ کرنے کے لیے آرڈیننس کومنظوری دے دی جوصدر جمہوریہ کے دستخط کرنے کے بعد پورے ملک میں نافذ ہوجائے گا، یہ بل مسلم معاشرہ کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہوگا کیونکہ یہ بل جس نام اورجن مقاصد کےتحت لایاجارہاہے، نافذ ہونے کے بعد تین طلاق تک محدودنہیں رہے گا بلکہ خواتین کے حقوق کے نام سے ایک سے زیادہ نکاح اور بچوں کی تعداد کومحدود کرنے جیسے سینکڑوں مسائل اس کی زدمیں آئیں گے۔

اِس موقع پرامت مسلمہ کے قائدین کی سخت آزمائش ہوگی کہ اس بل کی مخالفت کے ساتھ انہیں ایسی تدابیر اختیار کرنی ہوں گی کہ بی جے پی اس سے سیاسی فائدہ نہ اٹھاسکے،جس کے لیے فوری طور پرسڑکوں پرآنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ سب سے پہلے مسجدوں کےمنبرومحراب سے یہ پیغام عام کیاجائے کہ مسلمان تین طلاق ایک مجلس میں نہ دیں،بعض حالات میں یقیناً طلاق دی

جاسکتی ہے لیکن انہیں بتایا جائے کہ طلاق دینے میں عجلت سے کام نہ لے کر پہلے میاں بیوی کے اختلافات کو آپس میں دور کرنے کی کوشش کریں، اور اگر طلاق دینی ہی پڑے تو صرف ایک طلاق دے دی جائے، صرف ایک طلاق دینے پر عدت کے دوران رجعت بھی کی جاسکتی ہے، یعنی میاں بیوی والے تعلقات کسی نکاح کے بغیر دوبارہ بحال کئے جاسکتے ہیں، عدت گزرنے کے بعد اگر میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نکاح بھی ہوسکتا ہے، نیز عورت عدت کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح بھی کرسکتی ہے، غرضیکہ اس طرح طلاق واقع ہونے کے بعد بھی ازدواجی سلسلہ کو بحال کرنا ممکن ہے اور عورت عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا مکمل اختیار بھی رکھتی ہے، دوسرے نمبر پر سب کو یہ بتانے کی کوشش کی جائے کہ حکومت کا یہ قدم غیر جمہوری ہے، جمہوری ملک میں ہندوستانی قوانین کے مطابق ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارے، ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں امت مسلمہ کا بڑا طبقہ تین ہی واقع ہونے، جبکہ ایک طبقہ ایک واقع ہونے کا قائل ہے لیکن مودی حکومت کے اس آرڈیننس کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ایک بھی واقع نہیں ہوئی بلکہ شوہر کو تین سال جیل میں جانا ہوگا، جس کی ضمانت بھی آسان نہیں ہے، جو مذہبی امور میں مداخلت نہیں تو اور کیا ہے۔

موجودہ حکومت جب اس بل کو جمہوری اقدار سے نافذ کرنے میں ناکام ہوگئی تو پھر اُس نے آرڈیننس کا سہارا لیا، جس میں ایک ہی سوچ کے حامل چند حضرات بیٹھ کر ایک فیصلہ کردیتے ہیں، جو صدر جمہوریہ ہند کے دستخط ہونے کے بعد نافذ ہوجاتا ہے، تیسرے نمبر پر ہندوستانی قوانین کے ماہرین سے صلاح ومشورے کے بعد دیگر سیاسی جماعتوں سے اس مسئلہ کے حل کے لیے کوششیں کی جائیں۔

آرڈیننس کے نقصانات جاننے سے پہلے سمجھیں کہ حکومت کے مجوزہ طلاقِ ثلاثہ بل کے تین اہم عناصر کیا ہیں:

۱۔ ایک مجلس کی تین طلاق چاہے وہ کسی بھی طریقہ سے مسلم مرد کے ذریعہ دی جائے

وہ کالعدم ہے۔

۲– تین طلاق دینے والے مسلم مرد کو مجرمانہ سزا (تین سال کی جیل) دی جائے گی۔

۳– یہ جرم ناقابلِ سماعت اور غیرِ ضمانتی بھی ہے، ضمانت کے لیے جو شرائط بعد میں بڑھائے گئے ہیں وہ عام آدمی کی وسعت سے باہر ہیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ یہ بل تین طلاق کے نام سے نہیں بلکہ ’’مسلم خواتین (ازدواجی زندگی کے حقوق کا تحفظ) بل‘‘ کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

اس آرڈیننس کے چند نقصانات حسب ذیل ہیں:

۱– مذہبی امور میں دخل اندازی۔

۲– مذہب پر عمل کرنے کی آزادی پر پابندی۔

۳– قرآن وحدیث کے علوم کے ماہرین یعنی علماء کرام سے رجوع کئے بغیر حکومت نے یہ بل تیار کیا ہے۔

۴– ہندوستانی قوانین کے ماہرین سے بھی کوئی رائے زنی نہیں کی گئی۔

۵– جب سپریم کورٹ نے ایک مرتبہ کی تین طلاق کو کالعدم قرار دیا تو پھر اس پر سزا کیوں؟

۶– اس بل کو پاس کرانے کے لیے اتنی جلدی کیوں؟ بے روزگاری، بجلی، پانی، تعلیم، کرپشن اور چیزوں میں ملاوٹ جیسے بے شمار ضروری مسائل چھوڑ کر صرف تین طلاق کے مسئلہ پر پورے ہندوستان کی طاقت لگانا کونسی عقلمندی ہے؟ جب کہ آزادی کے بعد سے یعنی ستر سال میں مسلمانوں کے تین طلاق کے گنتی کے چند واقعات ہی عدالت میں پہنچے ہیں۔

۷– مسلم خواتین کے مقابلہ میں ہندو خواتین میں طلاق کے واقعات بہت زیادہ ہیں، حکومت کو مسلم خواتین کی اتنی فکر کیوں، ہندو خواتین کی فکر کیوں نہیں؟

۸– سپریم کورٹ کے فیصلہ کی رو سے ایک مرتبہ کی تین طلاق کو مجرمانہ عمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۹– سوال یہ ہے کہ جب طلاق نہیں ہوئی تو پھر شوہر جیل کیوں جا رہا ہے؟

۱۰— دنگے فساد کرانے والے شخص کو دو سال کی جیل اور کرپشن اور چار سو بیسی کرنے والے شخص کو ایک سال کی جیل، لیکن تین طلاق دینے والے شخص کو تین سال کی جیل؟ دنیا کا کوئی امن پسند بشر اس فیصلہ کو کیا صحیح قرار دے سکتا ہے؟

۱۱— جب شوہر تین سال کے لیے جیل چلا گیا تو بیوی اور بچوں کے نان ونفقہ کون برداشت کرے گا؟ اپوزیشن پارٹیوں نے جب کہا کہ موجودہ حکومت برداشت کرے تو مسلم خواتین کے لیے مگر مچھ کے آنسو بہانے والی موجودہ حکومت اس کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

۱۲— موجودہ حکومت اس بل میں معمولی سی تبدیلی کرانے کے لیے بھی تیار نہیں ہے، جس سے اُس کے مذموم ارادے واضح ہوتے ہیں۔ بل فی الحال راجیہ سبھا میں معلق ہے، لیکن پھر بھی اس بل کو کسی بھی صورت سے نافذ کرنے پر موجودہ حکومت آخر کار کیوں مصر ہے؟

۱۳— شوہر کے جیل کاٹنے کے بعد کیا وہ اُس عورت کے ساتھ رہنا پسند کرے گا جس کی وجہ سے وہ تین سال جیل میں رہ کر آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بل مسلم خواتین کے حقوق کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ اُن کو اور مسلم معاشرہ کو تباہ کرنے کے لیے ہے۔

۱۴۰۰ سال میں آج تک کسی بھی مسلم حکومت نے تین طلاق دینے والے شخص کو ایسی سزا کی تجویز تک پیش نہیں کی اور نہ ہی آج تک دنیا کے کسی بھی ملک میں ایک مرتبہ میں تین طلاق دینے والے شخص کو ایسا مجرم قرار دیا گیا ہے، اور یہ جو تاثر پیش کیا گیا ہے کہ مسلم ممالک میں تین طلاق پر پابندی ہے، یہ بات حقائق پر مبنی نہیں ہے، اور جن حضرات نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک تسلیم کیا ہے، انہوں نے بھی اس نوعیت کی کوئی سزا پیش نہیں کی۔

ہندوستان میں کئی سو سال مسلمانوں کی حکومت رہی، تین طلاق کے واقعات بھی پیش آئے لیکن ایک مرتبہ میں تین طلاق دینے والے شخص کو کوئی سزا نہیں دی گئی بلکہ مغلیہ دور میں پورے ہندوستان (جس میں پاکستان اور بنگلادیش بھی شامل تھا) کے سینکڑوں مفتیان

کرام اور علماء دین پر مشتمل بورڈ نے جو فتاوے تیار کیے جن کو پوری دنیا میں فتاوی عالمگیری کے نام سے جانا جاتا ہے، اس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بات بھی متفقہ طور پر طے کی گئی کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی واقع ہوں گی۔

ہندوستان میں جب سے اسلام آیا ہے ہندوستانی مسلمان کی اکثریت جمہور علماء خاص کر چاروں ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کی طرح قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی سمجھتی آئی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی واقع ہوں گی تو موجودہ حکومت کو اچانک اِس وقت قرآن وحدیث سمجھنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟

اللہ ورسول سے حقیقی محبت

عبدالرحمن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے آپ نے فرمایا تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت! ان کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ ورسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ ورسول اس سے محبت کریں تو اس کو چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے، اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنی خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۲/۲۰۱ رقم الحدیث ۱۵۳۳)

فتنوں کی پہچان

مدثر جمال تونسوی
استاذ مرکز عثمان وعلی رضی اللہ عنہما، بہاولپور

ہم جس طرح اپنے لباس کو گندگی سے بچانے کا اہتمام کرتے ہیں، دھواں زیادہ ہوجائے تو منہ پر کپڑا لپیٹ کر اس سے بچاؤ کرتے ہیں، اسی طرح اپنے ایمان اور دین کی بچانے کے لیے ان فتنوں کو پہچاننا ضروری ہے جو ہمارے ایمان اور دین کو گندا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ایک حدیث مبارک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے دور کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں، ہم جب ان نشانیوں کو پڑھتے ہیں اور پھر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہیں تو بے انتہاء حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں وہ سب نشانیاں ظاہر ہیں مگر ان سے بچاؤ کا کچھ خاص اہتمام نظر نہیں آتا، ان میں ملوث ہونے والوں پر ندامت اور شرمندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے اور ان فتنوں کو پھیلانے والے شب وروز اپنے کام میں مگن ہیں اور نہایت چالاکی سے یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تو انسانیت کے بہت بڑے خدمت گزار ہیں، گویا خود تو فریب خوردہ ہیں ہی، دوسروں کو بھی اس فریب کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔

لیجئے اب اس حدیث میں سے چالیس نشانیوں کو ملاحظہ فرمائیے، کہ شاید ہمارا احساس جاگ جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) لوگ نمازیں ضائع کرنے لگیں گے

یعنی نمازوں کے بارے میں سستی شروع ہوجائے، انکا اہتمام ختم ہوجائے، کثرت سے لوگ نماز کے تارک بن جائیں۔

آج دیکھ لیں مسلمانوں کی اکثریت نماز کی پابند نہیں، نمازوں کے اہتمام سے بالکل عاری ہو چکی ہے، العیاذ باللہ یہ بات آپﷺ اس وقت ارشاد فرما رہے ہیں جبکہ نماز چھوڑنا تو دور کی بات جماعت کا ترک بھی تصور سے باہر تھا، مسلمان جتنا بھی برا ہو، نماز چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، نماز کے ترک کو کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل سمجھا جاتا تھا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں اس چیز کا سوچنا بھی محال تھا، اس وقت آپؐ فرما رہے ہیں کہ لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں گے تو حیرانی ہوتی ہوگی ان قرن اول کے مسلمانوں کو کہ مسلمان بھی ہونگے اور پھر نمازوں کو غارت کرینگے، یہ کیسے ہوگا؟ لیکن آج ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ (آمین)

(۲) امانت ضائع ہونے لگے گی: یعنی لوگ جو امانتیں ایک دوسرے کے پاس رکھوائیں گے تو ان میں خیانت ہونے لگے گی اس کا تصور بھی اس دور میں جبکہ آپؐ یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں محال تھا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منافق کی علامتوں میں بیان فرمایا ہے۔

(۳) سود کھانے لگیں گے: آج دیکھ لیں کس طرح وباء کی شکل میں سود کی لعنت نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور سودی نظام نے کس طرح معیشت کو جکڑا ہوا ہے اور کیسے ڈھٹائی سے نہ صرف یہ کہ اس کو استعمال کیا جا رہا ہے بلکہ اس کو حلال قرار دینے کیلئے باقاعدہ وکالتیں ہو رہی ہیں۔ العیاذ باللہ۔

(۴) جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں گے: یعنی جھوٹ کو ایک فن اور بہترین سیاست سمجھا جائیگا۔ دیکھ لیں آج جو جتنا بڑا جھوٹا ہے اسکو اتنا ہی بڑا عقلمند سمجھا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ اسکو چالاک، ہوشیار اور کامیاب سیاستدان سمجھا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

(۵) چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل وغارت گری کریں گے:

یعنی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی جانیں لیں گے اسکا بھی آج کھلے عام مشاہدہ ہو

رہا ہے، اخبارات قتل کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر دوسروں کو راستے سے ہٹانے کی فکر میں قتل کر دیا جاتا ہے۔

(۶) اونچی اونچی عمارات اور بلڈنگیں بنائیں گے: چاروں طرف اسکا مشاہدہ بھی عام ہے۔

(۷) دین بیچ کر دنیا جمع کریں گے: اس کا جائزہ بھی لیں تو آپ کو ایسے علمائے سوء اور دین فروشوں کی کمی نظر نہیں آئیگی جو دنیا کی خاطر دین کا سودا کر رہے ہیں۔ اور دنیاوی مفاد میں دین بیچ رہے ہیں۔ العیاذ باللہ

(۸) قطع رحمی: یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلقی اور بدسلوکی عام ہوجائیگی۔

(۹) انصاف نایاب ہو جائے گا: انصاف کے حصول کیلئے لوگ دربدر ٹھوکریں کھائیں گے لیکن کہیں بھی انکو میسر نہ ہوگا۔

(۱۰) جھوٹ سچ بن جائے گا: آج دیکھ لیں جھوٹے پروپیگنڈے اتنے زور وشور اور مؤثر طریقے سے ہوتے ہیں کہ لوگ اس کو سچ اور سچ کو جھوٹ سمجھ لیتے ہیں۔

پوری دنیا کے امن کو تباہ کرنے والے امن پسند اور پوری دنیا میں مار کھانے والے پٹنے والے مظلوم مسلمان دہشت گرد، کتنا بڑا جھوٹ ہے، جسے عام پروپیگنڈے کے زور پر سچ ثابت کیا جارہا ہے، ملک کے اندر محب وطن اور مخلص لوگوں کو انتہا پسند اور بنیاد پرستی کا طعنہ دیکر ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے، اور ملک دشمنوں اور بدخواہوں کو کھلی چھٹی ہے، وہ ملک کے امن اور فلاح کی علامت سمجھے جاتے ہیں، اس سے بڑا جھوت اور کیا ہو سکتا ہے جسے سچ کہا جارہا ہے۔

(۱۱) لباس ریشم کا پہنا جائیگا۔ (۱۲) ظلم عام ہوجائیگا۔

(۱۳) طلاقوں کی کثرت ہوجائے گی۔ (۱۴) اچانک موتیں عام ہوجائیں گی:

یعنی ناگہانی اموات جن کا پہلے سے کوئی پتہ نہیں چلے گا، اچانک اطلاع ملے گی کہ

فلاں شخص ابھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھا لیکن اب فوت ہو گیا۔

(۱۵) خائن یعنی خیانت کرنے والے کو امین سمجھا جائے گا۔

(۱۶) امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا:

یعنی امین آدمی پر تہمت لگائی جائیگی کہ یہ خائن ہے اور جو واقعی خائن ہے اسے امین سمجھا جائیگا۔

(۱۷) جھوٹے کو سچا کہا جائیگا: (۱۸) سچے کو جھوٹا کہا جائے گا:

(۱۹) تہمت درازی عام ہو جائے گی: یعنی لوگ ایک دوسرے پر عام تہمتیں لگائیں گے، اور یہ ایک قسم کا مشغلہ اور وقت گزاری کا ذریعہ بن جائے گا۔

(۲۰) بارش کے باوجود گرمی ہوگی۔ (۲۱) لوگ اولاد کی خواہش کے بجائے اولاد سے کراہت کرینگے: یعنی جس طرح لوگ اولاد کے ہونے کی دعائیں کرتے ہیں اسکے بجائے لوگ یہ دعا کریں گے کہ اولاد نہ ہو اور کوشش بھی کرینگے، آج خاندانی منصوبہ بندی کے عنوان سے یہی کچھ ہو رہا ہے، اور یہ نعرہ لگایا جا رہا ہے بچے دو ہی اچھے۔

(۲۲) کمینے لوگ بڑی ٹھاٹھ باٹھ اور عیش وعشرت سے زندگی گزاریں گے-

(۲۳) شرفاء کی زندگی اجیرن بنادی جائیگی: اسکا مشاہدہ بھی گردوپیش میں عام کیا جاسکتا ہے۔

(۲۴) امراء اور وزراء جھوٹ کے عادی بن جائیں گے: یعنی سربراہ حکومت اور اسکے وزراء اور اعوان وانصار جھوٹ کے عادی بن جائیں گے اور صبح وشام جھوٹ بولیں گے۔

(۲۵) امین خیانت کرنے لگیں گے۔ (۲۶) سردار اور وڈیرے ظالم ہو جائیں گے۔

(۲۷) عالم اور قاری بدکار ہونگے، یعنی عالم اور قاری بھی ہونگے اور ساتھ ساتھ بدکار فاسق اور فاجر بھی ہونگے۔ العیاذ باللہ۔

(۲۸) لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنیں گے۔ (۲۹) مگر ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہونگے: یعنی لوگ جانور کی کھالوں سے بنے ہوئے اعلیٰ درجے کے لباس

پہنیں گے لیکن ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہونگے۔

(۳۰) اور ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے (۳۱) سونا عام ہوجائے گا

(۳۲) چاندی کی مانگ بڑھ جائے گی (۳۳) گناہ زیادہ ہوجائیں گے

(۳۴) امن کم ہوجائے گا (۳۵) قرآن کریم کے نسخوں کو آراستہ کیا جائے گا اور اس پر خوب نقش ونگار کر کے اس کو مزین کیا جائے گا۔

(۳۶) مساجد میں بھی نقش ونگار اور زیب وزینت خوب کی جائے گی۔

(۳۷) اونچے اونچے مینار بنیں گے (۳۸) لیکن دل ویران ہوں گے

(۳۹) شراب پی جائے گی (۴۰) شرعی سزاؤں کو معطل کردیا جائے گا۔

(دُرِّ منثور ۶/۵۲)

سعادت مند انسان ہے وہ جس کو فتنوں سے بچالیا جائے اور وہ بھی سعادت مند ہے جسے فتنوں میں مبتلا ہوجانے کے بعد توبہ کی توفیق مل جائے اور وہ حسب استطاعت خود بھی فتنوں سے بچے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرے۔اے کاش! کہ ہم سعادت مند بننے والوں میں شامل ہوجائیں!!

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (ناظم) مظاہر علوم
سہارنپور نے سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے
چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

عصرِ حاضر میں

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

مولانا اشتیاق احمد قاسمی، دار العلوم حیدر آباد

عالمی پیمانے پر اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی ضرورت آج سب سے زیادہ محسوس کی جارہی ہے، آج کوئی ایسا اقتدار نہیں جس کو سب لوگ تسلیم کریں، جس کی سب اطاعت کریں، کسی متفقہ اقتدار کا نہ ہونا، آج کی سب سے بڑی کمی ہے، ایک قوم دوسری قوم کو دیکھنا نہیں چاہتی، مختلف قسم کے معاہدے ہوتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں، اِن کے حل کے لیے اگر یہ سوچا جائے کہ کسی ایک انسان کی حاکمیت پر سارے لوگ متفق ہو جائیں، ہر ایک اِس کی اتباع کریں، تو ایسا فطری طور پر ناممکن ہے؛ اس لیے کہ آج ہر قوم دوسری قوم کی مخالف ہے، تو جس انسان کا بھی انتخاب ہوگا وہ کسی ایک قوم کا فرد ہوگا، اس ایک پر اگر اتفاق سے اپنی قوم متفق ہو گئی تو دوسری اقوام کو متفق کرنا آسان نہیں، پھر یہ کہ انسان نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات سے پاک نہیں ہوتا اگر کسی پر اتفاق کر لینے کی پوری دُنیا کوشش بھی کرے تو وہ آدمی وقت کا ''فرعون'' ثابت ہوگا، وہ سارے فوائد اپنے لیے، اپنے خاندان، اپنے فرقے اور اپنی قوم کے لیے سمیٹ لے گا، دوسرے لوگ محروم اور منہ تکتے رہ جائیں گے، اِس طرح انصاف کی جگہ ظلم اور مساوات کی جگہ بے اعتدالیوں کی حکومت ہوگی، کسی آدمی کا علم اتنا وسیع نہیں ہوسکتا کہ ہر انسان کی ضروریات معلوم کر سکے، اصلاح وفلاح کی صورتوں سے واقف ہو، ہر ایک کی فطرت کو جانتا ہو؛ اِس لیے وسیع ترین علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھائے گا، اور پوری انسانی آبادی کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا

کردے گا؛اس لیے کسی انسان پر پوری نوعِ انسانیت کا متفق ہونا ناممکن اور لا حاصل ہے۔

لہٰذا آج اختلاف حل کرنے کے لیے وہی کرنا ناگزیز ہے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، آپ نے اختلاف وانتشار سے تباہ دُنیا کو متحد کرکے عملی مثال پیش کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو بتادیا کہ اے انسانو! کسی انسان یا کسی اِدارے کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے بجائے ایک ایسی ذات کی حاکمیت کو تسلیم کرلو جس نے سارے انسانوں کو پیدا کیا وہی اُن کا پالنہار ہے، وہی سب کی زندگی اور موت کا مالک ہے، وہ ہر ایک کی فطری ضرورتوں سے واقف ہے، ہر ایک کو رزق وہی پہنچاتا ہے، اُسی کی دُنیا اُسی کا عقبیٰ ہے، وہی نظامِ عالم کا نگراں اور مدبّر و منتظم ہے۔ ''**الا له الخلق و الامر تبارک اللّٰہ رب العالمین**''(**الاعراف:۵۴**) وہی کائنات کا حقیقی فرماں روا ہے، اُسی کی حاکمیت کو تسلیم کرنے میں بھلائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''دعوتِ توحید'' کو جوق در جوق افرادِ انسانی نے قبول کیا، مذہبی اختلافات کے ختم کرنے کا یہ سب سے بڑا مشترکہ پلیٹ فارم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کے موجودہ اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ کو توحید پر متحد ہوجانے کی دعوت دی اور بحکم خدا ارشاد فرمایا:

یٰأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لاَ نَعْبُدَ اِلاَّ اللّٰهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (**آل عمران :۶۴**)

یعنی اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم اور) برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے۔

''رحمۃ للعالمین'' نے بتایا کہ اُس اللہ نے ایک قانونی کتاب نازل فرمائی ہے، جس قانون میں ہر ایک کی مصلحت کی رعایت ہے، اُس کتاب پر عمل کرنے میں مرنے سے پہلے

اورمرنے کے بعد دونوں زندگیوں میں سکون وراحت ہے؛ چنانچہ اطرافِ عالم سے جوق در جوق انسانوں کی بھیڑ نے اُس قانون کو تسلیم کیا، جب وہ قانون روبہ عمل لایا گیا تو دُنیا کو اضطراب سے راحت ملی، بے کل مریضوں کو جس نسخہ سے صد فی صد فائدہ ہوسکتا تھا وہ نسخہ مل گیا، اُس قانون میں گذشتہ نازل کردہ قوانین کی رعایت رکھی گئی تھی، جس طرح ڈاکٹر کے بنائے ہوئے بعد کے نسخے میں گذشتہ نسخوں کی دواؤں کا لحاظ رکھا جاتا ہے، بعد کے نسخوں سے گذشتہ نسخہ منسوخ ہوجاتا ہے، اِسی طرح یہ آخری نسخہ قانون ہے اور جس طرح ہر کتاب کے ساتھ ایک سمجھانے اور تشریح کرنے والا بھیجا جاتا رہا ہے، میں بھی اِس آخری کتاب کی تشریح کے لیے بھیجا گیا ہوں، اِس کتاب اور میری تفسیر میں دُنیا کے لیے راحت ہے، اِسی کے ذریعہ دُنیا میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے؛ چنانچہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کی، جس سے دُنیا نے سکون کا سانس لیا، مذہبی اختلافات بڑی حد تک ختم ہوئے، دُنیا نے اُس قانون کو نافذ کرکے آزمایا، آج بھی اُسی دعوت کو عام کرنے کی ضرورت ہے، آج کی دُنیا پیاسی ہے، دعوتِ توحید کی، دعوتِ رسالت اور دعوتِ ایمان کی! کیا ہے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ دعوت کو اپنانے والا؟ تا کہ بھٹکی ہوئی انسانیت راہِ راست پر آجائے اور پھر سے انسانوں میں ایک باپ کے بیٹے اور ایک خدا کے پجاری ہونے کی سمجھ پیدا ہو؟

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالم گیر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دُنیا کے لیے چراغِ راہ بن کر تشریف لائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت وسنت کو سامنے رکھ کر دُنیا راہ یاب ہوسکتی ہے، ہر طرح کے مسائل کا حل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع میں مضمر ہے، جملہ خرافات ومصائب سے نجات کا ''نسخۂ کیمیاء'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مل سکتا ہے، اگر کوئی شخص غیر مسلم اکثریت والے ملک میں رہ رہا ہے تو

اُس کو دعوت و تبلیغ کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟ عائلی قوانین اور پرسنل لاء پر وہ کس طرح عمل کرے؟ اپنے نزاعی معاملے کس طرح حل کرے؟ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ وغیرہ، اِن سارے سوالوں کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ملے گا، اِسی میں یہ درس بھی موجود ہے کہ اگر آج کوئی شخص ایسی جگہ رہ رہا ہے جہاں سارے جتن کے بعد بھی اِسلام کے احکام پر عمل نہیں کرسکتا تو وہ وطن کے مقابلے میں دین کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے وطن اور گھر بار سب کو خیرباد کہہ دے اور اپنی سکت اور کوشش کے مطابق دُنیا کی ایسی جگہ کو وطن بنائے جہاں اِسلام پر عمل کرنے کی پوری اجازت ہو، احکامِ اِسلام کے نفاذ میں کوئی شئے مانع نہ ہو، آج ہجرت پر عمل کرنا پیچیدہ ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔

اخلاقیات کے باب میں سیرت نبوی سے رہنمائی

موجودہ دَور کا سب سے بڑا المیہ اخلاقیات کا فقدان ہے، جھوٹ، چوری، وعدہ خلافی، بغض، کینہ، فخر، غرور، ریا، غداری، بدگوئی، فحش گوئی، بدگمانی، حرص، حسد، چغلی غرض یہ کہ ساری اخلاقی برائیاں، عام انسانوں اور مسلمانوں میں ہی نہیں؛ بلکہ خواص میں بھی اخلاقیات کا انحطاط آ گیا ہے۔ اِس انحطاط وتنزل کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہر بری خصلت کی برائی معقول انداز میں بیان کی جائے۔

اِس سلسلے میں قرآن وحدیث کے نصوص واضح کیے جائیں؛ تاکہ معقولیت پسند طبقہ شریعت سے قریب ہو، اُس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کو بھی بیان کیا جائے اور اُن کے اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، ایک دین دار مسلمان کو اپنے اخلاق و کردار میں کیسا ہونا چاہیے؟ درس گاہِ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے تھے؟ اُن کے اندر اخلاص وتقویٰ، شرم وحیاء، صبر وشکر کی صفات تھیں، وہ دیانت دار، امانت دار اور سخاوت وشرافت کے خوگر تھے۔ اُن کے اندر ایثار وقربانی، عفت و پاک دامنی اور تواضع وانکساری کی اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں۔ وہ خوش کلام، خوش الحان، خوش دِل اور رحم و

کرم کے پیکر تھے، وہ ہمیشہ موت کو یاد رکھتے تھے، اُن کے معاملات کی صفائی سے لوگ متاثر تھے، یہ ساری چیزیں آیات واحادیث کی روشنی میں بیان کی جائیں تو بڑا موثر رہے گا، اپنوں کی اصلاح تو ہوگی ہی، غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، سچ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو اگر عام کیا جائے تو ضرور بالضرور ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے گا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے معاشرہ کے مماثل ہوگا، جن میں ساری خوبیاں موجود تھیں، یہ خوبیاں آج تاریخ کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہیں، جو کبھی زندگی میں موجود تھیں، پہلے مسلمانوں کو دیکھ کر اُن کے بلند و بالا اخلاق سے متاثر ہوکر لوگ اِسلام قبول کرتے تھے، آج اسلام اور اِسلام کی اخلاقی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کتب خانوں کا سفر کرنا پڑتا ہے، کاش! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات زندگیوں میں رچ بس جائیں تو بات ہی دُوسری ہوجائے۔

یہ دور ''پی ایچ، ڈی'' اور تخصصات کا دور کہلاتا ہے اگر کسی تحقیق کے طالب علم کو آج کے دور کی ظاہری اور باطنی خرابیوں کے شمار کرنے کا موضوع دے دیا جائے؛ بلکہ ایک نہیں متعدد طالب علموں کو اِس موضوع پر لگایا جائے تب بھی ساری خرابیاں بیان نہیں ہوسکیں گی، اِن ساری خرابیوں کی وجہ اِسلام اور تعلیم اسلام کا عام نہ ہونا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل بعثت کا مقصد دُنیا کو اعتدال پر لانا تھا، اِس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) پوری زندگی دعوتِ اصلاح و تبلیغ میں صرف کرڈالی۔ (۲) تربیت کے ذریعہ ایسے افراد پیدا کیے، جن میں ایمان کامل تھا، آخرت کا استحضار تھا، وہ ذکر الٰہی کا اہتمام کرتے، راتوں میں تہجد گذار اور دِنوں میں مجاہد برسر پیکار ہوتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اُنھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ (۳) غیروں کی اصلاح سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی۔ (۴) اللہ رب العزت کے سارے احکام سے لوگوں کو واقف کرایا۔ (۵) اللہ کے سارے احکام کو زمین پر نافذ کرنے

کی کوششیں اور تدبیریں کیں۔(۶) ہر ایک کے حقوق کو واضح فرمایا، خصوصاً کمزور طبقات مثلاً عورتوں، بچوں، غلاموں، خادموں اور جانوروں کے حقوق کو متعین فرما کر اُن کی ادائیگی کی تلقین فرمائی۔ (۷) معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر گرفت کرنے اور ایک دُوسرے کو احکامِ الٰہی کی تعمیل کی تلقین کا مزاج بنایا۔(۸) آیات واحادیث کی تعلیم کے ساتھ اُن پر عمل کرنے اور خود احتسابی کی تعلیم دی۔(۹) آیات کی تفسیر اور احادیث کے یاد کرنے اور اُن کے مذاکرے کا ماحول بنایا۔(۱۰) اخلاقِ رذیلہ کی خرابیوں کو بیان کر کے اُن سے بچنے اور اخلاقِ فاضلہ کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔(۱۱) ایسا ماحول بنایا کہ ہر آدمی دعوت اصلاح وتبلیغ کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگا تھا۔

اگر آج بھی مذکورہ بالا نبوی طریقہ کار پر عمل ہو تو معاشرہ کی ساری خرابیاں دُور ہو سکتی ہیں، آج ضرورت ہے کہ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اُس کی تفسیر کو عام کیا جائے، ساتھ ہی احادیث کی تعلیم کا بھی اہتمام ہو، غیروں کے بجائے اپنی خرابیوں پر غور کیا جائے اور اصلاح کی کوشش کی جائے؛ نیز تذکیر وموعظت اور تبلیغ ودعوت کا اہتمام کیا جائے تو ضرور معاشرہ درست ہوگا، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں سب سے بڑی رہنمائی یہی مل رہی ہے کہ جس عرق ریزی سے خیر القرون کا صالح معاشرہ بنا آج بھی وہی ماحول پیدا ہو اور ہمارا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی ہو اور بس!

اسمارٹ فون

اس دور کا سب سے بڑا فتنہ

مولانا ندیم الواجدی مدیر ترجمانِ دیوبند

حال ہی میں ایک ویڈیو وائرل ہوئی ہے، یورپ کے کسی ملک کی ویڈیو ہے، اس میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو دکھلایا گیا ہے، ان کے ہاتھوں میں تختیاں ہیں جن پر کچھ اس طرح کے نعرے لکھے ہوئے ہیں ''ہمیں وقت دو'' ''ہمیں آپ کا پیار چاہئے'' ''موبائل فون سے ہم نفرت کرتے ہیں''

بچوں کے اس مظاہرے کی قیادت ایک سات سالہ بچہ کررہا تھا، ان بچوں کو اپنے والدین سے شکایت ہے کہ وہ ان پر توجہ دینے کے بجائے اپنا تمام وقت موبائل فون کے ساتھ گزارتے ہیں۔

یہ گھر گھر کی کہانی ہے، موبائل کے حد سے زیادہ استعمال نے ہمیں دور دراز کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ تو مربوط کیا ہے لیکن قریبی رشتوں سے دور بھی کردیا ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو نادیدہ لوگوں کے ساتھ دوستی اور تعلق میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انھیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ قریب ترین رشتوں کی ڈور ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، یہ تو وہ بچے تھے جنھیں احساس ہوا کہ اس عمر میں وہ والدین کی توجہات کے زیادہ مستحق ہیں، ورنہ بہت سے بچے تو اس کمی کو اسمارٹ فون کے استعمال سے پوری کررہے ہیں، والدین خود بھی موبائل فون پر دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے اپنے نوعمر بلکہ شیر خوار بچوں تک کو موبائل فون پکڑا دیتے ہیں، انھیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ اس طرح بچوں

کی نشوونما متاثر ہوسکتی ہے، ان کی آنکھیں خراب ہوسکتی ہیں، ان کی تعلیم پر بھی اس کا اثر پڑ سکتا ہے سب سے زیادہ یہ کہ وہ ان سے دور بھی ہوسکتے ہیں، مگر موبائل فون کے نشے میں چور والدین کو ان سب چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

ہمارے دور کی سائنسی ایجادات میں موبائل فون ایک اہم ایجاد ہے، اس وقت دنیا میں اگر کسی ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھایا جارہا ہے تو وہ موبائل فون ہے، دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے نصف یقینی طور پر اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہے، خود ہمارے ملک میں چالیس پچاس کڑوڑ افراد موبائل سے جڑے ہوئے ہیں، اس ایجاد نے دوریاں ختم کردی ہیں، فاصلے مٹادئے ہیں، اور لوگوں کو ایک دوسرے سے انتہائی قریب کردیا ہے، آدمی دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو اس فون کے ذریعے وہ ہر وقت اپنوں سے باخبر رہتا ہے اور انھیں بھی باخبر رکھتا ہے، دنیا بھر کی معلومات انٹرنیٹ کے ذریعہ اس کے موبائل فون پر سیلاب کی طرح آتی رہتی ہیں، کہیں بھی کوئی اہم یا غیر اہم واقعہ ہو وہاٹس آپ، فیس بک، ٹیوٹر اور دوسرے پروگراموں کے ذریعے اس تک پہنچ جاتا ہے، کسی چیز کے متعلق معلومات درکار ہوں تو گوگل کافی ہے، اس کے خزانے میں ہر طرح کی معلومات موجود ہیں، بس آپ کی انگلیوں کو حرکت کرنی ہے، اگلے ہی لمحے آپ کے موبائل فون کی اسکرین پر وہ تمام معلومات آپ کی مطلوبہ زبان میں لکھی ہوئی سامنے آجائیں گی، ساری دنیا سے باخبر رہنے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، پہلے ریڈیو کھولنا پڑتا تھا، ٹی وی کی نشریات دیکھنی پڑتی تھیں، اخبارات پڑھنے پڑتے تھے، کتابوں کے صفحات الٹ پلٹ کرنے پڑتے تھے، اب یہ ساری چیزیں آپ کے اسمارٹ فون میں ہیں، نہ کہیں جانے کی ضرورت، نہ کسی جگہ جم کر بیٹھنے کی ضرورت، نہ کتابیں اٹھانے اور رکھنے کی ضرورت، نہ ٹی وی چینلوں کو گردش دینے کی ضرورت، پوری دنیا آپ کی مٹھی میں ہے، بس مٹھی کھولنے کی ضرورت ہے۔

یہ تو موبائل فون کا مثبت پہلو ہے، لیکن یہ ایجاد اپنے ساتھ کتنی خرابیاں لے کر آئی ہے اس کا

احساس اب ذی شعور لوگوں کو ہونے لگا ہے، ممتاز عالم دین مولانا تقی عثمانی صاحب تو اسمارٹ فون کو دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ کہتے ہیں، اگر ایک سادہ سا موبائل ہو اور مقصد صرف اتنا ہو کہ اس کے ذریعے کسی کو فون کرلیا جائے یا کسی کا فون سُن لیا جائے تو اس سے بڑھ کر مفید چیز کوئی دوسری نہیں ہوسکتی، خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ سادہ سا فون اسمارٹ فون میں یا ملٹی میڈیا فون میں تبدیل ہوجاتا ہے، پھر اگر اس کا استعمال اس حد تک ہو جس حد تک کسی کو اس کی ضرورت ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مثال کے طور پر ایک تاجر اسمارٹ فون صرف اس لیے رکھتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنی تجارت کو فروغ دے سکے یا دور رہ کر اپنی تجارتی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکے اور انھیں دور رہ کر بھی کنٹرول کرتا رہے تو یقینا یہ بہترین استعمال ہے، ایک صحافی اسمارٹ فون کے ذریعے دنیا بھر کی خبروں سے باخبر رہتا ہے، واقعات عالم پر مشہور ومعروف قلم کاروں کے تجزیوں اور سیاست دانوں کے تبصروں کی روشنی میں وہ اپنی رائے قلم بند کرتا ہے اور اپنی یہ رائے نیٹ پر ڈال دیتا ہے تا کہ لوگوں کے سامنے اس کا نقطۂ نظر بھی آجائے تو کہا جائے گا کہ یہ صحافی اپنے اسمارٹ فون کو صحیح طور پر استعمال کررہا ہے، اسی طرح کوئی طالب علم اپنے مضمون کی تیاری میں نیٹ پر دستیاب معلومات سے مدد لے رہا ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے، بات وہاں خراب ہوتی ہے جہاں اس کا استعمال غلط طور پر کیا جاتا ہے۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں اسمارٹ فون فحاشی پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، مولانا کا یہ تجزیہ صدفی صد درست ہے، آج ہماری نئی نسل بہ طور خاص اسمارٹ فون کو اس لیے گلے لگائے پھرتی ہے کہ وہ اس کی خلوتوں کا ساتھی اور تنہائیوں کا رفیق ہے، وہ اس میں کیا دیکھتا ہے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں ہے، کچھ پہلے تک تفریح کا بڑا ذریعہ سینما بینی تھا، لیکن بہت سے لوگ خاص طور داڑھی ٹوپی والے لوگ سینما ہاؤس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس لیے ڈرتے تھے کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو وہ طعنہ دے گا اور ہمارے احترام وعزت میں فرق آجائے گا، اب صورت حال بدل چکی ہے، دنیا بھر کی فلمیں آپ کی جیب میں ہیں، اور آپ کے اشارے کی منتظر ہیں، آپ

داڑھی ٹوپی تو کیا جبہ ودستار میں بھی ان فلموں سے استفادہ کرسکتے ہیں اور معاشرے میں اپنی بزرگی کا بھرم برقرار رکھ سکتے ہیں، فلمیں خاص طور پر فحش فلمیں تو اب بھی پردے میں دیکھی جاتی ہیں، لیکن دوستوں کے ساتھ سارا سارا دن اور پوری پوری رات چیٹنگ کرنے میں کسی آڑ کی ضرورت نہیں ہے، جسے دیکھو وہ خشوع خضوع کے ساتھ اس کام میں لگا رہتا ہے، وقت کی اضاعت، صحت کی بربادی، پیسے کا ضیاع، قریبی رشتوں کے ساتھ دوری، سب اسی اسمارٹ فون کی بدولت ہیں۔

ایک عام گھر کا منظر نامہ بھی کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ بیوی اپنے موبائل پر مصروف، شوہر اپنے موبائل کی اسکرین پر نظر جمائے ہوئے، بچے بھی والدین کے نقش قدم پر، نیند نے مجبور کیا سو گئے، ورنہ صبح تک پلک نہیں جھپکی جاتی، سونے کے بعد اٹھتے ہی سب سے پہلے فون پر اپنا اسٹیٹس چیک کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسری مصروفیات شروع ہوتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند (مظاہرعلوم سہارنپور) نے اپنے طلبہ پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ اپنے پاس ملٹی میڈیا یا موبائل فون نہیں رکھ سکتے، اگر کسی طالب علم کے پاس سے اس طرح کا کوئی موبائل برآمد ہوا تو پہلی فرصت میں اس کا اخراج کر دیا جائے گا اور اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا، چنانچہ تلاشی کے دوران دو طالب علموں کے پاس سے اس طرح کے فون برآمد ہوئے جن کا فوری طور پر اخراج کر دیا گیا، جہاں تک ہمارا خیال ہے دارالعلوم دیوبند نے اسمارٹ فون پر پابندی لگانے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ درست سمت میں ایک صحیح قدم ہے، اور مستقبل میں اسکے اچھے نتائج برآمد ہوں گے، دیوبند کے دوسرے مدرسوں کو بھی دارالعلوم کی تقلید کرنی چاہئے، بلکہ تمام مدارس کو اس سلسلے میں سخت قدم اٹھانا چاہئے، اس بیماری پر اسی وقت مکمل طور پر قابو پایا جاسکتا ہے، شاید ہی کوئی طالب علم ایسا ہو جس کی جیب میں اسمارٹ فون موجود نہ ہو، ان نوعمر اور ناپختہ شعور بچوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس کو صرف تعمیری مقاصد میں ہی استعمال کریں گے، غیر شعوری طور پر ان کی رسائی ایسی ویب سائٹس تک ہوسکتی ہے جو ان کی اخلاقیات کو متأثر کرسکتی ہیں، اس لیے اس طرح کے موبائل سے ان کو دور رکھنا ہی بہتر قدم ہے۔

بہت سے محتاط علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسمارٹ فون کا استعمال صرف اس شخص کے لیے جائز ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور وہ جلوت وخلوت ہر حال میں اللہ کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہو، اگر کسی کا دل اللہ کے ڈر سے خالی ہو اس کے لیے جائز ہی نہیں کہ وہ اسمارٹ فون استعمال کرے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ طلبہ صرف شوق میں اس طرح کے موبائل رکھتے ہیں اور وہ وہاٹس اپ یا فیس بک وغیرہ پر دوستوں اور رشتہ داروں سے رابطہ رکھنے یا ان سے چیٹ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے تب بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دور طالب علمی میں اس طرح کے مشاغل بے حد مضر ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ تو دور طالب علمی میں رشتہ داروں کی طرف سے آئے ہوئے خطوط دیکھنے کے روادار بھی نہیں تھے، بلکہ وہ ایسے تمام خطوط جو انھیں ایام طالب علمی میں موصول ہوتے ایک گھڑے میں ڈال دیتے تھے، جب سالانہ تعطیلات ہوتیں تو گھڑے کے اندر سے تمام خطوط نکالتے، انھیں پڑھتے، کسی کے مرنے کی خبر ہوتی تو اس کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے، کوئی خوشی کی خبر ہوتی تو اسے مبارک باد پیش کرتے، انھیں یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اپنا قیمتی وقت خطوط پڑھنے اور ان کا جواب لکھنے میں ضائع کریں۔

آج ہم کئی کئی گھنٹے غیر ضروری اور لایعنی چیٹنگ میں برباد کرتے ہیں، افسوس اس کا ہے کہ ہم لوگوں کو اس بربادی کا احساس تک نہیں ہوتا، موبائل فون کے حد سے بڑھے ہوئے استعمال سے طلبہ میں مطالعۂ کتب کا شوق کم سے کم ہوتا جا رہا ہے، بہت سے بدقسمت طلبہ تو درسگاہوں کی پچھلی صفوں میں بیٹھ کر بھی موبائل سے کھیلتے نظر آتے ہیں، ایسے میں کیا خاک پڑھائی ہوگی اور کیا خاک استعداد بنے گی۔

دارالعلوم کا اقدام بہ ظاہر تو سخت نظر آتا ہے مگر اس طرح کے سخت اقدام کی بڑی ضرورت تھی، اب رہی یہ بات کہ اخراج کے علاوہ بھی کوئی دوسری سزا ہے یا نہیں، اس سلسلے میں تو ہمیں حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ کی یہ رائے زیادہ پسند ہے کہ طالب علم کا

اخراج کرنا ایسا ہے جیسے کسی عضو بدن میں کوئی تکلیف ہو اور اس تکلیف کا علاج کرنے کے بجائے اس عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جائے، طلبہ ہمارے نظام کے لیے ایسے ہیں جیسے بدن کے اعضاء، اگر یہ اعضاء کسی بیماری میں مبتلا ہوں تو ان کے علاج کی ضرورت ہے نہ کہ ان کو کاٹ کر پھینک دینے کی، ہاں اگر کوئی عضو بالکل ہی گل سڑ جائے اور اس کے زہریلے اثرات سے پورا نظام جسم متاثر ہونے لگے تب اسے کاٹ دینا ہی بہتر ہے، اگر اصلاح کی امید ہے تو آخری لمحے تک اصلاح کی کوشش ہونی چاہئے، جن دو بچوں کا اخراج ہوا ہے اگر ان کو ایک موقع اور دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا، اخراج کے علاوہ بھی سزا دی جاسکتی تھی مثلاً سال لوٹایا جاسکتا تھا، یا ان کے لیے کوئی دوسری مناسب سزا تجویز کی جاسکتی تھی، صورت حال اس سخت ترین سزا کی متقاضی تھی یا نہیں اس کا فیصلہ ذمہ دار ہی کر سکتے ہیں، سو انھوں نے کیا، ہم تو اس سلسلے میں قاری صدیق احمد باندویؒ کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں اور ذمہ داران مدارس کو بھی اس کا مشورہ دیتے ہیں کہ وہ حضرت باندویؒ کی رائے پر عمل کریں۔

کسر نفسی

حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہ کے متعلق تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ آپ کو اپنے کسی کمال پر ناز نہ تھا اور نہ ضد تھی ایک بار آپ تھانہ بھون گئے اور فساد صلوۃ بمحاذاۃ النساء کے مسئلہ میں مولوی احمد حسن سنبھلی کا حضرت سے مکالمہ ہوا حضرت تو حنفیہ کے قول کو قوی فرمارہے تھے اور مولوی احمد حسن ضعیف۔ حضرت نے فرمایا تم پہلے میری تقریر سن لو، پھر جو کہنا ہے وہ کہنا، مگر مولوی صاحب نے درمیان میں آپ کا کلام قطع کرنا شروع کر دیا، حضرت کو تکدر ہوا اور لہجہ میں تیزی آ گئی مولوی احمد حسن بھی تیزی پر آ گئے تب آپ نے تحمل کیا اور خاموش ہو گئے، جب آپ ریل پر آنے لگے تو آپ نے خود ابتداء بالسلام کی اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر فرمایا اگر مجھ سے کچھ گستاخی آپ کی شان میں ہو گئی ہو تو معاف فرمادیں، (تذکرۃ الخلیل ص ۲۹۷)

اولاد کی ظاہری و باطنی تربیت

مولانا محمد شفیق الرحمن علوی
دفتر ماہنامہ بینات، بنوری ٹاؤن کراچی

بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں، اگر اُنھیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی گئی، بچوں کی اچھی تربیت سے ایک مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے؛ اس لیے کہ ایک اچھا پودا ہی مستقبل میں تناور درخت بن سکتا ہے۔

بچپن کی تربیت نقش علی الحجر کی طرح ہوتی ہے، بچپن میں ہی اگر بچہ کی صحیح دینی واخلاقی تربیت اور اصلاح کی جائے تو بڑے ہونے کے بعد بھی وہ ان پر عمل پیرا رہے گا، اس کے برخلاف اگر درست طریقہ سے ان کی تربیت نہ کی گئی تو بلوغت کے بعد ان سے بھلائی کی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی، نیز بلوغت کے بعد وہ جن برے اخلاق واعمال کا مرتکب ہوگا، اس کے ذمہ دار اور قصوروار والدین ہی ہوں گے، جنہوں نے ابتدا سے ہی ان کی صحیح رہنمائی نہیں کی، نیز! اولاد کی اچھی اور دینی تربیت دنیا میں والدین کے لیے نیک نامی کا باعث اور آخرت میں کامیابی کا سبب ہے؛ جب کہ نافرمان و بے تربیت اولاد دنیا میں بھی والدین کے لیے وبالِ جان ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی کا سبب بنے گی۔

اولاد کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی تربیت والدین کے ذمہ فرض ہے، ماں باپ کے دل میں اپنی اولاد کے لیے بے حد رحمت وشفقت کا فطری جذبہ اور احساس پایا جاتا ہے، یہی پدری و مادری فطری جذبات واحساسات ہی ہیں جو بچوں کی دیکھ بھال، تربیت اور اُن کی ضروریات کی کفالت پر اُنھیں اُبھارتے ہیں، ماں باپ کے دل میں یہ جذبات راسخ ہوں

اور ساتھ ساتھ اپنی دینی ذمہ داریوں کا بھی احساس ہو تو وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریاں احسن طریقہ سے اخلاص کے ساتھ پوری کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اولاد کی تربیت کے بارے میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم: ٦)

اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر و تشریح میں فرمایا کہ:

"علموهم وأدّبوهم"۔ ان (اپنی ولاد) کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لیے کوشش کرے۔

اولاد کی تربیت کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بھی ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱—مَانَحَلَ والدٌ أفضلَ مِنْ أدبٍ حسنٍ" (بخاری، جلد: ۱، ص: ۴۲۲)

کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھے آداب سکھادے۔

یعنی اچھی تربیت کرنا اور اچھے آداب سکھانا اولاد کے لیے سب سے بہترین عطیہ ہے۔

۲—عن ابن عباس ....قالوا :یارسول الله! قد علمنا ما حق الوالد فماحق الولد؟قال :أن يحسن اسمه ويحسن أدبه (سنن بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! والدین کے حقوق تو ہم نے جان لیے، اولاد کے کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔

۳— یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ انسان جن کا ذمہ دار ورکھوالا ہے، اُنھیں ضائع کردے، ان کی تربیت نہ کرے۔

یہ بھی ضائع کرنا ہے کہ بچوں کو یونہی چھوڑ دینا کہ وہ بھٹکتے پھریں، صحیح راستہ سے ہٹ جائیں، ان کے عقائد واخلاق برباد ہوجائیں۔ نیز اسلام کی نظر میں ناواقفیت کوئی عذر نہیں ہے، بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں جن امور کا جاننا ضروری ہے، اُس میں کوتاہی کرنا قیامت کی باز پرس سے نہیں بچا سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

اپنی اولاد کو ادب سکھلاؤ، قیامت والے دن تم سے تمہاری اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے اسے کیا ادب سکھلایا؟ اور کس علم کی تعلیم دی؟ **(شعب الإیمان للبیهقی)**

بچوں کی حوصلہ افزائی

بچہ نرم گیلی مٹی کی طرح ہوتا ہے، ہم اس سے جس طرح پیش آئیں گے، اس کی شکل ویسی ہی بن جائے گی۔ بچہ اگر کوئی اچھا کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کی تعریف سے دریغ نہیں کرنا چاہیے اور اس پر اُسے شاباش اور کوئی ایسا تحفہ وغیرہ دینا چاہیے جس سے بچہ خوش ہوجائے اور آئندہ بھی اچھے کام کا جذبہ اور شوق اس کے دل میں پیدا ہوجائے۔

بچوں کی غلطی پر تنبیہ کا حکیمانہ انداز

بچوں کو کسی غلط کام پر بار بار اور مسلسل ٹوکنا اُن کی طبیعت میں غلط چیز راسخ ہونے سے حفاظت کا سبب بنتا ہے، جس سے اگر غفلت نہ برتی گئی تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے پہلے کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہوگی، بچے سے خطا ہوجانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، غلطی تو بڑوں سے بھی ہوجاتی ہے۔ ماحول کا بچوں پر اثر

ہوتا ہے، ممکن ہے کہ غلط ماحول کی وجہ سے بچہ کوئی غلطی کر بیٹھے، تو اس صورت حال کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ بچے سے غلطی کس سبب سے ہوئی؟ اسی اعتبار سے اسے سمجھایا جائے۔ تربیت میں میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، مربی کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اس وقت بچہ کے لیے نصیحت کارگر ہے یا سزا؟ تو جہاں جس قدر سختی اور نرمی کی ضرورت ہو اسی قدر کی جائے۔ بہت زیادہ سختی اور بہت زیادہ نرمی بھی بعض اوقات بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

پیار ومحبت سے بچوں کی تربیت واصلاح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت اور زیر کفالت تھا، میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: **یا غلامُ سَمِّ اللہ! و کل بیمینک و کل ممایلیک** اے لڑکے! اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔

اگر نصیحت اور آرام سے سمجھانے کے بعد بھی بچہ غلطی کرے تو اُسے تنہائی میں ڈانٹا جائے اور اس کام کی برائی بتائی جائے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کو کہا جائے، پھر بھی اگر باز نہ آئے تو تھوڑی پٹائی بھی کی جاسکتی ہے۔

تربیت کے یہ طریقے نوعمر بچوں کے لیے ہیں؛ لیکن بلوغت کے بعد تربیت کے طریقے مختلف ہیں، اگر اس وقت نصیحت سے نہ سمجھے تو جب تک وہ اپنی برائی سے باز نہ آئے اس سے قطع تعلق بھی کیا جاسکتا ہے، جو شرعاً درست ہے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل کے ایک رشتہ دار تھے جو ابھی بالغ نہ ہوئے تھے، انھوں نے کنکر پھینکا تو حضرت عبداللہ نے منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر

مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ :إنّها لا تصيد صيدًا اس سے کوئی جانور شکار نہیں ہوسکتا، اس نے پھر کنکر پھینکا تو انھوں نے غصہ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم پھر دوبارہ ایسا ہی کررہے ہو؟ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی اپنے بیٹے سے ایک موقع سے قطع تعلق کیا تھا اور مرتے دم تک اس سے بات نہ کی۔

بچوں کوڈانٹنے اور مارنے کی حدود

بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ یا استاد کا اُنھیں تھوڑا بہت، ہلکا پھلکا مارنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے؛ بلکہ بعض اوقات ضروری ہوجاتا ہے۔اس معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔غصہ میں بے قابو ہوجانا اور حد سے زیادہ مارنا یا بچوں کے مارنے ہی کو غلط سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں۔پہلی صورت میں افراط ہے اور دوسری میں تفریط ہے۔اعتدال کا راستہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ ’’اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو؛ جب کہ وہ سات سال کے ہوجائیں اور ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو؛ جب کہ وہ دس سال کے ہوجائیں‘‘۔(مشکوٰۃ) اس حدیث سے مناسب موقع پر حسبِ ضرورت مارنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

مارنے میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اس حد تک نہ مارا جائے کہ جسم پر مار کا نشان پڑجائے۔نیز جس وقت غصہ آرہا ہو، اس وقت بھی نہ مارا جائے؛ بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس وقت مصنوعی غصہ ظاہر کرکے مارا جائے؛ کیونکہ طبعی غصہ کے وقت مارنے میں حد سے تجاوز کرجانے کا خطرہ ہوتا ہے اور مصنوعی غصہ میں یہ خطرہ نہیں ہوتا، مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے اور تجاوز بھی نہیں ہوتا۔

فتویٰ — ماضی اور حال کے تناظر میں

محمد اللہ قاسمی، شعبہ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند

''فقہ'' علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے، یہ ایک طرف قرآن و علوم قرآن، حدیث و متعلقات حدیث، اقوال صحابہ، اجتہادات فقہاء، جزئیات و فروع، مرجوح وغیر مرجوح اور امت کی واقعی ضروریات کے ادراک کے ساتھ زمانے کے بدلتے حالات کے تناظر میں دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کا نام ہے، دوسری طرف فقہ ایسا علم ہے جو طہارت و نظافت کے جزوی مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب و اخلاق اور ان تمام امور کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، جن کا تعلق حلال و حرام اور اباحت وحرمت سے ہے۔

فتاوی کا میدان فقہ سے زیادہ وسیع ہے؛ اس لیے کہ فتاوی میں ایمانیات وعقائد، فرق وملل، تاریخ وسیرت، تصوف وسلوک، اخلاق و آداب، عبادات و معاملات، معاشرت و سیاسیات کے ساتھ قدیم و جدید مسائل کا حل، اصولی و فروعی مسائل کی تشریح و تطبیق وغیرہ جیسے امور بھی شامل ہوتے ہیں۔

فتوی کیا ہے؟

فتوی کے لغوی معنی ہیں: کسی سوال کا جواب دینا، سوال خواہ شرعی یا غیر شرعی ؛ لیکن بعد میں فتوی شرعی حکم معلوم کرنے کے معنی میں خاص ہو گیا۔

شریعت کی اصطلاح میں زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق پیش آمدہ مسائل میں دینی رہنمائی کا نام فتویٰ ہے، بالفاظِ دیگر کسی بھی مسلمان کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہو تو اس کے

استفسار پر قرآن وحدیث اوران سے اخذ کیے ہوئے اصول وتشریحات کی روشنی میں علمائے دین اورمفتیانِ کرام جوحکمِ شرعی بتاتے ہیں، اسی کا نام فتوی ہے۔

فتوی کسی عالم یا مفتی کی ذاتی رائے کا نام نہیں کہ جس پر عمل کرنا ضروری نہ ہو؛ بلکہ فتوی قرآن وسنت کی تشریح کا نام ہے، جوایک مسلمان کے لیے واجب العمل اور لائقِ تقلید ہے۔

فتوی کا تاریخی پس منظر

دورِرسالت مآب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مفتی الثقلین تھے اور منصبِ افتاء پر فائز تھے، آپ وحی کے ذریعہ اللہ تعالی کی طرف سے فتوی دیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاوی (احادیث) کا مجموعہ، شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا ماخذ ہے۔ ہر مسلمان کے لیے اس پر عمل ضروری ہے اوراس سے سرِمو انحراف کی اجازت نہیں۔ آپ نے فتاوی کے ذریعہ ہر باب میں رہ نمائی کی ہے۔ عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات وآداب وغیرہ میں آپ کے فتاوی مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کے عہدِزریں میں کوئی دوسرا فتوی دینے والا نہیں تھا؛ البتہ آپ کبھی کبھی کسی صحابی کوکسی دور دراز علاقہ میں مفتی بنا کر بھیجتے تو وہ منصب افتاء وقضا پر فائز ہوتے اورلوگوں کی رہ نمائی کرتے۔ جیسے حضرت معاذ بن جبل کوآپ نے یمن بھیجا اور انھیں قرآن وحدیث اورقیاس واجتہاد کے ذریعہ فتوی دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

آپ کے بعد فتوی کی ذمہ داری کوصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سنبھالا اوراحسن طریقے سے انجام دیا۔ حضرات صحابہ کرام میں جوفتوی دیا کرتے تھے، اس کی مجموعی تعداد ایک سوتیس سے بھی زائد ہے، جن میں مرد بھی شامل ہیں اورعورتیں بھی؛ البتہ زیادہ فتوی دینے والے سات تھے: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

اس کے بعد تعلیم وتربیت اور فقہ وفتوی کا سلسلہ حضرات صحابہ کے شاگردوں نے سنبھالا اور دل وجان سے اس کی حفاظت کر کے اسے اگلی نسلوں تک منتقل کیا۔صحابہ کرام کے زمانے میں فتوحات ہوئیں،اسی وجہ سے وہ دور دراز علاقوں میں پھیل گئے؛چناں چہ ہر جگہ ان کے شاگرد تیار ہوئے۔مدینہ میں حضرت سعید بن المسیب،عروۃ بن زبیر،عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ،قاسم بن محمد،سلیمان بن یسار،خارجہ بن زید،ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف رحمہم اللہ تعالی۔ان حضرات کو فقہائے مدینہ یا فقہائے سبعہ کہا جاتا تھا۔مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح،عبد الملک بن جریج،علی بن ابی طلحہ۔کوفہ میں ابراہیم نخعی،علقمہ،عامر بن شراحیل شعبی،بصرہ میں حسن بصری،یمن میں طاؤس بن کیسان،شام میں مکحول وغیرہ (رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ)۔ان حضرات کے فتاوی مصنفات،سنن اور مسندات وغیرہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں۔آپ کی پیدائش کے وقت متعدد صحابہ کرام کوفہ میں موجود تھے۔آپ نے آٹھ صحابہ سے روایت بھی فرمائی۔(ردالمحتار ۱/۱۴۹) آپ استنباطِ مسائل میں حد درجہ احتیاط فرماتے تھے۔آپ کے پاس علمائے کرام کی ایک جماعت جمع ہوتی اور اس میں ہر فن کے ماہرین ہوتے تھے،جو اپنے علم وفن میں کامل رسوخ کے ساتھ خدا ترسی،فرض شناسی وغیرہ اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔خود امام صاحب اس جماعت کے صدر کی حیثیت سے شریک ہوتے۔کوئی مسئلہ پیش آتا تو سب مل کر بحث ومباحثہ اور غور وخوض کرتے۔جب سب علماء ایک بات پر متفق ہوجاتے تو امام ابوحنیفہؒ اپنے تلمیذِ خاص امام ابویوسفؒ کو حکم دیتے کہ اس کو فلاں باب میں لکھ لو۔اللہ تعالی نے آپ کو ایسے لائق شاگرد عطا فرمائے کہ جنھوں نے آپ کے علوم کو دنیا کے چاروں اطراف میں پھیلا دیا۔

علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ تعداد چار ہزار تک ہے؛چناں چہ خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گذشتہ صدی کے شروع ہونے تک اکثر اسلامی ممالک میں فقہِ حنفی

قانونی شکل میں نافذ و رائج رہا۔

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور برطانوی آبادکاروں کے تسلط کے بعد فتوی کا کام دینی مدارس کی طرف منتقل ہو گیا اور اب یہ کام دینی مدارس کے ذریعہ ہی انجام پا رہا ہے۔ دینی مدارس نے فقہ وفتوی کی اس عظیم ذمہ داری نہات احسن طریقے سے نبھائی۔ فقہ وفتوی کے سلسلے میں مدارس کے علماء ومفتیان کرام خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری، حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ نے عظیم الشان خدمات انجام دیں اور ان حضرات کے فتاوی اور فقہی رہ نمائی نے مسلمانان برصغیر؛ بلکہ عالم اسلام تک کو فائدہ پہنچایا۔

فتوی دینے کا منصب بہت اہم اور نازک ہے۔ فقہائے کرام اور مفتیان عظام کی وہ جماعت جنھوں نے خود کو استنباطِ احکام، استخراجِ مسائل کے لیے مختص کیا اور حلال وحرام کو معلوم کرنے کے لیے قواعد وضوابط مرتب کیے، وہ انبیائے کرام کے حقیقی وارث ہیں۔

فتویٰ دینے کے کچھ اصول وضوابط ہیں، جن کی روشنی میں مرکزی دینی مدارس اور جامعات میں باقاعدہ تخصص کرایا جاتا ہے۔ فتویٰ دینے کے لیے عملی مشق کرائی جاتی ہے، اور جب تک تخصص کرانے والے اساتذہ کو تخصص کرنے والوں کی صلاحیت پر اعتماد نہیں ہوجاتا، افتاء کی سند نہیں دی جاتی۔ مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں متقی، پرہیزگار اور شریعت کا پابند ہو، ہر قابلِ ذکر مدرسہ فتویٰ دینے کے لیے ایسے ہی عالم کا انتخاب کرتا ہے، جو مذکورہ بالا صفات کا حامل ہوتا ہے۔ مفتی جو کچھ بھی فتویٰ دیتا ہے، اس میں پوری دیانت ملحوظ رکھتا ہے، وہ بحیثیت ناشِ رسول حکم شرعی کی نشاندہی کرنے والا ہوتا ہے۔ مفتی فتویٰ صادر کر کے کوئی نیا قانون نہیں بناتا، نہ وہ اس کی ذاتی رائے ہوتی ہے؛ بلکہ

وہ تو صرف قانون اسلامی کی مقرر دفعہ کو بتلاتا ہے یا وضاحت کرتا ہے جو دفعات اپنے موقع پر کتب فقہ وفتاویٰ میں قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی ہے؛ اس لیے اسلام کے جس قانون کو مفتی بتلاتا ہے، اس کا قرآن وحدیث اور کتبِ فقہ سے ثابت ہونا کافی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مستند فتوے پر طعن کرتا ہے تو درحقیقت وہ قانونِ اسلام کو نشانہ بنا رہا ہے۔

فتوی اور میڈیا

عصرِ حاضر میں فتوی ہماری قومی اور عالمی میڈیا کا ایک اہم عنوان بن گیا ہے۔ بسا اوقات میڈیا میں شائع ہونے والے فتاوی کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے یا اس سے غلط اور بے بنیاد نتائج نکالے جاتے ہیں اور اس طرح فتوی کا اصل مفہوم خبروں کی بھیڑ میں کھوجاتا ہے اور اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں میڈیا کو یہ بات محسوس کرنی چاہیے کہ فتوی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آج منظرِ عام پر آیا ہے؛ بلکہ وہ فقہ اسلامی کی کوئی دفعہ ہے جو ہمیشہ سے مسلم اور منقح ہے۔ فتوی کوئی شاہی فرمان بھی نہیں کہ ہر کس و ناکس سے اس پر جبری طور پر عمل کروایا جائے۔ فتوی دراصل کسی شخص کے خاص معاملہ میں حکم شرعی دریافت کیے جانے کے وقت اس معاملے کے حکم شرعی سے آگاہ کرنے کا نام ہے۔ اس کا تعلق براہ راست اس شخص سے ہوتا ہے جو سوال کرتا ہے، فتوی کے ذریعہ اس شخص کی رہنمائی کردی جاتی ہے۔

میڈیا میں شائع ہونے والے فتاویٰ سے عام طور یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ یہ نیا فتوی اور فرمان ہے جو حال ہی میں جاری ہوا ہے۔ اس سے عموماً یہ تاثر پھیلتا ہے کہ اب تک اسلام یا مسلمانوں کے یہاں اس سلسلے میں ایسی کوئی بات نہیں تھی؛ لیکن اب یہ کام منع ہے۔ جب کہ حقیقتِ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ فتوی کے ذریعہ اسلام کے ہمیشہ سے طے شدہ مسلمہ مسائل کی کسی دفعہ کو سامنے لایا جاتا ہے اور وہ کسی بھی معنی میں کوئی نیا معاملہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر میڈیا کسی فتوی کو شائع ہی کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی دیانت

[illegible] کا تقاضا ہے کہ پورا فتویٰ من وعن مع سوال وجواب اور فتویٰ نمبر کے حوالے کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کرے۔ میڈیا کو سوال وجواب کے الفاظ میں تصرف کرنا یعنی کمی بیشی کرنا، تقدیم وتاخیر کرکے الٹ پلٹ کرنا، اپنے طور پر اس کا مفہوم متعین کرکے اپنے الفاظ میں پیش کرنا ہرگز درست نہیں؛ کیونکہ یہ خیانت ہے؛ بلکہ سوال وجواب کا پورا متن بعینہٖ شائع کرنا چاہیے۔ اسی طرح کبھی کسی گفتگو یا موبائل پر بات چیت کو فتوی کے عنوان سے شائع کردیا جاتا ہے، یہ بھی سراسر اصول صحافت سے انحراف اور زیادتی ہے۔

اس سلسلے میں خصوصاً مسلمانوں کو چند باتیں ذہن میں ضرور رکھنی چاہئیں۔ میڈیا میں شائع ہونے والے ہر فتوی کو آنکھ بند کرکے صحیح اور مستند تسلیم نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ جب تک پورا فتوی مع حوالہ سوال وجواب سامنے نہ آجائے یا متعلقہ ادارہ کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہ آجائے، اس وقت تک اس سلسلے میں کوئی رائے زنی یا تبصرہ نہیں کرنا چاہیے۔ پورا فتوی یا اس کی وضاحت سامنے آجانے کے بعد جب کہ وہ مسئلہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ثابت ومسلم ہے، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ برسرِ عام اس فتوی کو تنقید کا نشانہ بنائے اور مفتیانِ کرام یا اسلامی ادارہ کو طعن وتشنیع کرے۔ ہاں! کسی علمی واجتہادی مسئلہ میں علمی اختلاف کا حق ان علماء ومفتیان کو ضرور ہے جو علم واجتہاد کی ان شرائط کو پورا کرتے ہوں۔

خریدار حضرات سے!

اگر آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو تو فوراً 150/ روپئے ارسال فرمائیں۔
خط وکتابت کرتے وقت اپنا پتہ انگریزی میں اور خریداری نمبر لکھنا ہرگز نہ بھولیں۔
ہمارے دفتر سے براہ راست رابطہ کیلئے 2655542-0132 فون نمبر ملائیں (ادارہ)

فتاوی

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

میراث میں بہنوں کو حصہ نہ دینا

سوال... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقوں میں ایک رواج چلا آرہا ہے کہ جب والد کا انتقال ہوتا ہے تو میراث کی تقسیم اکثریوں ہوتی ہے کہ بہنیں اپنا حصہ بھائیوں کو ہبہ (تحفہ) کرتی ہیں، وہ بھائی یا توان کی دیکھ بھال کا وعدہ کرتے ہیں، یا کہتے ہیں کہ میں آپ کو حج پر لے جاؤں گا، اس پر وہ ان بہنوں سے دستاویز کے طور پر خط لکھواتے ہیں، دستخط لیے جاتے ہیں، یا انگوٹھا لگوایا جاتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے ان بہنوں کی میراث کا حق ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی بھائی نے کسی بہن کو حج کرایا ہو یا اس بہن کو یا اس بہن کی وفات کے بعد اس کے بعض وارثوں کو کچھ پیسے دیے ہوں، تو کیا ایسا کرنے سے بہن کا حق میراث ختم ہوجاتا ہے یا نہیں؟ حق ساقط نہ ہونے کی صورت میں اگر وہ بہنیں فوت ہوگئی ہوں تو کیا ان کے ورثاء (اولاد) اپنی ماں کے حق کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب... واضح رہے کہ والد کے انتقال کے بعد بیٹوں پر لازم ہے کہ والد کی بیٹیوں (اپنی بہنوں) کو وراثت کا پورا پورا حق ان کے حوالے کریں، تقسیم سے قبل بہنوں کا اپنا حصہ بھائیوں کو ہبہ کرنا درست نہیں، اسی طرح بھائیوں کا بہن کو ان کا حق اس وجہ سے نہ دینا کہ ہم آپ کے حصے کی دیکھ بھال کریں گے، یا آپ کو حج کرائیں گے، یہ بھی درست نہیں، اس طرح ہبہ کرنے، دیکھ بھال یا حج کے وعدے سے بہنوں کا حقِ میراث ساقط نہ ہوگا، بلکہ زندگی میں بہنوں کو بذاتِ خود اور ان کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء کو اپنی والدہ کے حصے کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا، نیز بھائیوں نے بہنوں کے حقِ میراث کے بدلے جو ان کو حج کرایا یا نقدی وغیرہ

دی اس کی مالیت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ بھی درست نہیں۔

البتہ میراث تقسیم ہوجانے کے بعد اگر کوئی بہن اپنے حصے پر مکمل قبضہ کر کے اپنی خوشی ورضامندی سے (نہ کہ علاقے کے رسم ورواج یا دباؤ سے) اپنا حق اپنے بھائیوں کو ہبہ کر دے یا دیکھ بھال کے لیے دے دے تو یہ جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح اور صاف طور پر اپنے کلام میں میراث کے احکام کو بیان فرمادیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان احکامات پر عمل کرنے والوں کے لیے بشارت اورابدی سعادت اور ان احکام پر عمل نہ کرنے والوں کے لیے عذاب کو بھی بیان فرمادیا، اب جس مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی عظمت، آخرت کی جواب دہی اور دوسروں کا حق دبانے پر ملنے والے دنیا وآخرت کے عذاب کا یقین ہوگا وہ تو ہرگز ان احکام سے روگردانی نہیں کرے گا، بلکہ وہ ہر صاحبِ حق کو اس کا حق پورا پورا دے گا۔

وراثت میں ملا ہوا مال اطیب الاموال (پاکیزہ اموال میں سے سب سے پاکیزہ مال) کہلاتا ہے، کیوں کہ اس میں انسان کے کسب وعمل کو دخل نہیں، جو شخص اس تقسیم میں قانونِ الٰہی کی مخالفت کرتا ہے وہ کئی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب وقہر کا مورد ہوتا ہے، اول: یہ کہ شاہی انعام جس کا حق دار کو پہنچانا اس کے ذمے تھا اس میں خیانت کی، دوسرے: حق دار کو اس کے حق سے محروم کر کے ظلم کیا، تیسرے، یہ ظلم جو وراثت میں ہوتا ہے نسلوں تک چلتا ہے، اور اس کا وبال اس شخص پر ہوتا ہے جس نے اول اس میں خیانت کی۔

خلاصہ یہ کہ بھائیوں کا مظلوم بہنوں کو ان کا حقِ میراث نہ دینا ظلم عظیم ہے، اور صرف زبانی کلامی معاف کرالینا بھی شرعاً معتبر نہیں اور اسی طرح بہنوں کا بھائیوں کے قطع تعلق اور طعن وتشنیع کے ڈر سے بادل ناخواستہ محض زبانی اپنا حصہ معاف کرنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں، غرضیکہ حرام کو حلال بنانے اور بے زبان مظلوم بہنوں کا حصہ میراث دبانے کے لیے جو بھی چالیں چلی جاتی ہیں وہ سب شرعاً مردود اور باطل ہیں۔